بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدلله نحمده و نستعینه ونستغفره و نومن به و
نتوکل علیه و نعوذبالله من شرور انفسنا و من سیات
اعمالنا من یهدالله فلا مضل له و من یظلل فلا هادی له و
اشهدان لا اله الاالله و اشهدان محمدا عبده ورسوله

ولی اور ولایت

مرتبہ: محمّد نامدار خان بوزئی

وَلِی ۔یَلِی۔وِلَایَۃ اور مولیٰ کے الفاظ دینی لٹریچر میں کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ تینوں الفاظ کا مادہ لفظ وِلیٰ ہے۔قرآن نے لفظ ولی کو خالق و مخلوق دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ مفہوم کے لحاظ سے یہ اور اس سے مشتق مذکورہ الفاظ تیس سے زیادہ لغاتی، استعاری و مرادی معنوں میں استعمال کیے جاتے رہے ہیں، مثلاً:

دوست، محبّ، محبوب، ناصر، مددگار، حاکم، غلام، کارساز، تدبر امر کرنیوالا، نصیر، حاملِ قربت، حاملِ تقربِ الٰہی، وصی، نگہبان، اقلیم، اختیارات، اقتدار، مقتدر، مقتدرہ، تصرف، وکیل، سرپرست، نمائندہ، وارث، حقدار، تولّیت، سلطان، امارت، اختیار رکھنے والا، جانشین، حقِ تصرف رکھنے والا وغیرہ، وغیرہ۔

لفظ 'ولی' کو نبی یا رسول کے الفاظ پر اس لئے افضلیت حاصل ہے کہ یہ لفظ اسماء حسنہ میں سے ایک اسم ہے۔اس کی دوسری وجہ فضیلت، اس کی بیشتر صفات کا غیر تکوینی ہونا ہے، اس کے برخلاف نبوت و رسالت دونوں تکونی امورِ ہیں اور انبیاء و مرسلین کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی معدوم ہو جاتے ہیں۔جبکہ ان ذواتِ قدسیہ کی ولایت کو بقاء و دوام حاصل رہتا ہے۔

اس کی تیسری وجہ فضیلت یہ ہے کہ ولایت کی رعایت سے حاصل ''حضوری'' کے دورانیہ کو حصولِ نبوت کے دورانیہ کی طرح ''مشغولیت بالحق'' تسلیم کیا گیا ہے جب کہ فرائضِ نبوت و رسالت کی ادائیگی کے دورانیہ کو ''مشغولیت بالخلق''۔ کیونکہ یہ دونوں ہی بندوں کی تعلیم اور رشد و ہدایت کے متقاضی ہوتے ہیں اور چونکہ یہ دورانیے اللہ جلّ شانہُ سے ان کی دوری کا باعث ثابت ہوتے ہیں اس وجہ سے ان پر گراں گزرتے ہیں۔

بالفاظ دیگر نبی کی ''حالتِ نبوت'' کے خاص دورانیے جس میں نبی کو علومِ نبوت بلاواسطہ عطا ہو رہے ہوتے ہیں، حضوری کے مختصر دورانیے ہوتے ہیں جبکہ نبی کی ''ولایت'' نبی کی حسبِ منشاء طویل حضوری، خلّت، قرب و حُب اور فنائیتِ تامہ کا مقام مہیا کرتی رہتی ہے جو کہ ان ذواتِ مقدّسہ کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ، مرغوب و اعلیٰ مقام ہوتا ہے۔ پس انہی مذکورہ اسباب کے پیشِ نظر انبیاء و مرسلین کا مقامِ ولایت، ان کے مقامِ نبوت و مقامِ رسالت سے افضل تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ صوفیاء و حکماء نے بھی نبی کی ولایت کو نبی کی نبوت سے افضل گردانا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ کے ہر ''چنندہ بندے'' کی سب سے پہلی جہت ''بشری'' ہے۔ دوسری جہت کے لحاظ سے وہ ''ولی'' ہے؛ تیسری جہت کے لحاظ سے ''نبی' اور چوتھی جہت سے وہ ''رسول'' ہے۔ اسی سبب حالتِ بشریت میں وہ بشری تقاضوں کا مکلّف ہوتا ہے، حالتِ ولایت میں وہ ''حضوری'' ''قربِ الٰہی'' و ''خلت'' سے مشرف ہوتا رہتا ہے جب کہ حالتِ ''نبوت'' میں حسبِ منشاء الٰہی، کبھی اللہ کے مقرر کردہ فرشتہ سے علومِ نبوت حاصل کرتا رہتا ہے تو کبھی اللہ سے یا پھر کبھی علوم نبوت سے متعلقہ حالتِ خواب کی کیفیت میں اللہ کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔ جب کہ حالتِ رسالت میں وہ بندوں کو علومِ نبوت پہنچاتا اور ان کی تعلیم دیتا رہتا ہے۔

اس پس منظر میں ابتداء سے ولایت بمعنی قربِ الٰہی، نہ تو کوئی فلسفہ تسلیم ہوتی تھی اور نہ ہی کوئی ''فکر''؛ نہ کوئی مذہب اور نہ کسی فرقہ کا تراشیدہ عقیدہ! ولایت اصلاً اللہ کا انعام ہے جس کے حصول کی اپنی کیفیات و وجوہات ہوتی ہیں اور جس کے حقدار مصطفین الاخیار کے علاوہ عام بندے بھی ہوا کرتے ہیں۔

بدقسمتی سے بعد کے دور میں غلو پسندوں نے لفظِ ولایت کے مفاہیم کی کھینچا تانی شروع کر دی اور وہ مفاہیم جو کہ صرف اللہ سبحانہٗ کے لیے مخصوص ہیں، اپنے اکابرین اور اولیاء اللہ کیلئے استعمال کر دیئے نتیجتاً لوگوں کی راسخ العقیدگی مجروح ہوئی اور اولیاء کی مخالفت کا سبب بن گئی۔

مخالفت کی دوسری وجہ وہ نامناسب و قابل اعتراض الفاظ بھی ہیں جو کہ بعض غیر کامل اولیاء سے حالت سکُر میں یا بے احتیاطی کی علت کے تحت ادا ہوتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مخالفت کی ایک اور وجہ یہ بھی دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ بعض جھوٹے اور جعلی صوفیوں کے ایجنٹوں اور کارندوں نے انکے کمالات وکرامات کی اشتہار بازی سے جاہل اور کم علم طبقے کو نا قابلِ یقین حد تک متاثر کر دیا۔ جس نے اولیاء اللہ کے خلاف پائی جانیوالی فضاء کو مزید تقویت بخشی۔ چنانچہ اولیاء اور ''ولایت'' سے ناراض طبقے کی مخالفت ترقی کرتی رہی حتّیٰ کہ ان مخالفین نے جذباتی ردِ عمل کے زیرِ اثر'' **علم الاحسان** '' کی بھی نفی کر دی۔ اس طرح رفتہ رفتہ امت میں ولایت اور اولیاء اللہ کے خلاف جذبات ابھرنے لگے اور ایک نظریاتی جنگ کا آغاز ہو گیا جس کی شدت کی انتہا ولایت کی مکمل نفی کی شکل میں نمودار ہوئی۔ متنفر طبقے نے جذبات میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیا کہ ولایت کی بھی اقسام ہوتی ہیں اور اللہ کے پسندیدہ انسان (مصطفین) ہی اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں اور اسی قرب و اُصطِفا کا ایک نام '' **ولایت** '' ہے۔ اس تقرب کے بغیر اللہ اور بندوں کے درمیان نہ کوئی کلام ہے نہ کوئی مکالمہ، نہ کوئی خلیل اللہ ہو سکتا ہے اور نہ کلیم اللہ! ولایت ہی وہ جہت ہے جس کے طفیل ہر دو جہانوں میں خالق و مخلوق کے درمیان خوش گوار اور دلپذیر رابطہ قائم رہتا ہے۔ اس دنیا میں یہ رابطہ کبھی کشف والقاء کی صورت میں ہوتا ہے تو کبھی خواب کے ذریعہ سے، کبھی پہاڑ کی اوٹ سے ہوتا ہے تو کبھی کسی فرشتے کے ذریعے سے یا کبھی وحی کے ذریعہ سے۔ ان رابطوں کی مختلف شکلیں، ولایت کی نوع اور اقسام کے مطابق ہوتی ہیں، جو کہ بنیادی طور پر ''اکتسابی'' اور ''وہبی'' نوعیت میں منقسم ہیں۔ چونکہ ولایت، علم الاحسان اور تصوف کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے اسی وجہ سے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان کی مختصر وضاحت کر دی جائے۔

قرآنی اصطلاح میں تصوف سے مراد تزکیہ (نفس وقلب) ہے اور حدیث کی اصطلاح میں اس کو"الاحسان" کہا گیا ہے۔بعض علماء اسے"فقہ باطن" سے موسوم کرتے ہیں۔بعضوں کے نزدیک ولی کا علم ،علمِ نبوّت کی طرح"علم لدُّنی" ہے جوکہ ولایت الٰہیہ سے مختص و معتبر ہے۔

الاحسان کی تعلیمات پر عمل کرنے سے بندے کو اللہ کا مکمل عرفان یعنی **عین الیقین** حاصل ہوتا ہے۔جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوتی ہے۔ چنانچہ عرفان کی تکمیل کی حقیقت اور اہمیت کو واضح کرنے کے لیے علامہ روم اپنی مثنوی میں اللہ کے بندوں سے ایک بڑا اہم سوال کرتے ہیں۔

وہ دریافت کرتے ہیں کہ"**کیا سننے والا اور دیکھنے والا برابر ہوسکتے ہیں؟**"

پس دیدار کی بنیاد پر حاصل ہونیوالے عرفان وادراک کے بغیر مخلوق کے لیے خالقِ حقیقی بڑی حد تک ایک مفروضہ اور تصّوراتی شخصیت رہ جاتا ہے۔چنانچہ صحیح وکامل عرفان کے بغیر بندہ ایک تخیلاتی "رب" کے ساتھ اپنی عمر گزارتا رہتا ہے۔عرفان ویقین کا ایک اور اس سے بھی اکمل درجہ ہوتا ہے جسے قرآن نے "حق الیقین" کہا ہے جوکہ تعلیم الاحسان ہی کے نصاب کا آخری درجہ ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ"**الاحسان**"ہی کی تعلیمات ہیں جو "**حکمة**" کی وہ راہیں بتاتے ہیں جس پر گامزن ہوکر اللہ کے بندے حُب وقربِ الٰہی کے منازل طے کرتے ہیں۔قربِ الٰہی سے متعلق بخاری شریف میں باب:۸۴۴؛ کے تحت حدیث (نمبر:۱۴۲۲) مروّی ہے۔اس حدیث کے ایک حِصّہ میں درج ہے کہ:

"میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کیلئے جو کچھ کرتا ہے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ عبادات ہیں جو میں نے اس پر فرض قرار دیں ہیں اور میرا بندہ اگر نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہے (تو پھر) یہاں تک (کیفیت پہنچ جاتی ہے) کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جب مجھ سے وہ سوال کرتا ہے تو اسے وہ (چیز) دے دیتا ہوں۔اور جب میرے پاس پناہ ڈھونڈتا ہے تو میں اسے پناہ دے دیتا ہوں۔"

یہ حدیث قرب الٰہی کے طالبوں کیلئے کلیدی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں تقرب الٰہی کے حصول کے طریقے اور اس کے ثمرات کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے۔ چنانچہ اس حدیث سے مدارجِ قرب الٰہی کی مندرجہ ذیل اقسام کی شناخت ہوتی ہے۔

۱۔ **قرب فرائض** :۔ یہ قرب، فرض عبادات کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کی ہوئی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ طریقہ اللہ کو بہت پسند ہے اور اس کے حصول کے بغیر مزید ترقی کے بارے میں سونچا بھی نہیں جا سکتا۔

۲۔ **قرب نوافل** :۔ یہ ایسا قرب ہے جو ادائیگی نوافل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ قرب چونکہ فرائض عبادات کی ادائیگی کے بعد اضافی عباداتی کاوشوں سے حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا حامل اللہ تعالیٰ کو شخصاً زیادہ پسند و محبوب ہوتا ہے۔

متذکرہ بالا دونوں طریقوں سے حاصل کی جانے والی ولایت ''کسبی'' (اکتسابی) ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ عنکبوت کی آخری آیت :۔

وَالَّذِیْنَ جٰهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

(اور جو لوگ ہماری راہوں میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور بیشک اللہ ''محسنین'' کے ساتھ ہے۔)

مندرجہ بالا ترجمہ میں ''ہماری راہوں'' سے مراد ''ہم سے قرب حاصل کرنے کی راہیں'' ہیں۔ جو کہ کثیر عبادات و ریاضات شاقہ سے عبارت ہوتی ہیں۔ جبکہ لفظ "محسنین" " احسان" سے مشتق ہے۔ اس قرب کے حصول کی ترکیب سورہ مائدہ کی آیت : ۳۵ میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا:

یا یها الذین اٰ منو اتقوا الله و ابتغوا الیه الوسیله و جاهدوا فی سبیـله لعلّکم تفلحون (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا وسیلہ تلاش کرو اور مجاہدہ کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پانے والوں میں ہو جاؤ۔ [سورہ المائدہ: ۳۵]

علماء ''**الوسیلۃ**'' سے مراد مرشد کامل تعبیر کرتے ہیں۔

ولایت کی مذکورہ دو اقسام کے علاوہ قرب الٰہی کی ایک اور قسم بھی ہے ۔ جسے ''قرب الوجود'' کہا جاتا ہے۔''نقلیات'' نے اسے ''**خاص ولایت**'' کے طور پر متعارف کروایا ہے۔

۳۔ **قرب الوجود**:۔ یہ ولایت اکتسابی نہیں ہے بلکہ وہبی (عطائے الٰہیہ) ہے۔اور ''مقام قاب قوسین'' اس کا خاصّہ ہوتا ہے۔اس مقام پر اللہ اور بندے کے درمیان مقرب ترین ملائکہ بھی نہیں ہوتے ۔ یہ ولایت انبیائے ومرسلین کیلئے مخصوص ہے۔اس ولایت کے دائرے میں بڑے سے بڑا ''کسبی ولی'' بھی پر نہیں مار سکتا۔ یہاں کلام بغیر الفاظ و تلفظ کے بھی ہوتا ہے جسے '' کلام نفسی'' کہتے ہیں ایسے ہی کلام قدسی کی طرف سورہ النجم [آیت:١٠] میں اشارہ موجود ہے۔فرمایا:۔

فا اوحیٰ اِلیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ (پس اللہ نے اپنے بندے پر وحی کی جو کچھ کہ کرنا تھی)

ایسی ولایت کا اظہار **اللّٰہ جَلِّ شَا نہٗ** نے مختلف ادوار میں اپنے خاص بندوں کے ذریعہ کروایا ہے۔ چنانچہ اس مخصوص ولایت کے اختتام کے حامل کو''**خاتم الاولیاء**'' کہا گیا ہے۔اس اصطلاح میں مستعمل ''الف لام'' کی نحوی ترکیب اور منشاء سے عام قارئین وسامعین کی ناواقفیت نے اس کے صحیح تشخص کو گم کر دیا اور **خاتم الاولیأ** کو''کسبی اولیاء'' کی صف میں کھڑا کر دیا۔(العیاذ باللہ)

اس فیضِ عظیم کے بعد''**عباد الله الصالحین و مصطفین**''میں''**الرُوح**''کبھی ''**نفخ**'' کی گئی تو کبھی''**اوحینا**'' کی منشاء کے تحت''**نازل**'' کی گئی۔وہب وعطائے الٰہیہ کے اس عمل کے بعد یہ خاص ''**رُوح**'' **جَعَلْنٰہُ نُوْرًا** کے امرِ الٰہی کے باعث''**عبداللہ**'' کے لیے''نور'' بنادی جاتی ہے۔ملاحظہ فرمایں:

وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان و لکن جعلنٰہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا و انک لتھدی الیٰ صراط المستقیم (اور اس طرح ہم نے اشارہ کیا ایک روح کو آپ کی طرف، نہ آپ کتاب جانتے تھے اور نہ ہی ایمان [کی حقیقت] مگر ہم نے اس [روح] کو نور بنا دیا جس [کے

ذریعہ] سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں ہم، اپنے بندوں میں
سے؛ بیشک آپ [بھی] ہدایت دیتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف!)
[سورہ الشوریٰ:۵۲]

معقولات یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں کہ اس آیت میں وہ ظابطہ یا Formula بیان کیا گیا ہے جس کے تحت ایک ''چنندہ بندہ'' **المہدی** بنایا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ کا ایک نام ''**المھدی**'' بھی ہے۔

چونکہ صفت ہدایت، صفت کلام کی طرح ازلی اور ابدی ہے اسوجہ سے اس صفت کا ظہور روزِ اوّل سے بیشمار ہادیوں کی صورت میں ہوتا رہا ہے۔ صورتوں کی کثرت سے حقیقت کثیر نہیں ہوجاتی ہے بلکہ وہ واحد ہی رہتی ہے۔ پس حق تعالیٰ کے مظاہر ہدایت میں سے کسی پر ایمان لانا اور کسی کا انکار کرنا بد دیانتی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلا استثناء تمام ''مظاہر ہدایت الٰہیہ'' پر ایمان لانا ''ضروریاتِ دین'' کی اہم ترین شق ثابت ہوا اور ان میں فرق نہ کرنا مبادیات واصول دین کا اہم حصہ بنادیا گیا۔ اسی لیے مومنین کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے بھی اقرار کیا.... **لا نفرق بین احدمن رّسوله** ....(سوررہ البقرہ :۲۸۵)۔ چنانچہ اسی آیت کے تحت تمام مکلفین کے لیے ''ولایتِ خاصّہ'' کے حاملین کے درمیان تسویت محکم ہوجاتی ہے! یہی امر حضرت ابن سیرینؒ کے قول سے بھی ثابت ہے!

مذکورہ ''روح'' یا ''نور'' کو فلک ولایت بھی کہا گیا۔ اسی کو خلق اوّل، عقل اوّل، نشاط اوّل، منشاء اوّل، تجّلی اوّل، ظلِ اوّل، عقلِ کل، قلمِ اعلیٰ، علمِ مطلق، اعیان مجمل، آدم حقیقی، کنز الکتاب، قابلیت اولیٰ، روح الارواح، شہود علمی جیسے اعتبارات سے متعارف کروایا گیا۔ یہ سارے اعتبارات ''نور'' کی مختلف شعاعوں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے اپنے اپنے فیض اور رنگ و ڈھنگ ہیں مثلاً علم، فہم، ذکاء، عبادات، اطاعات، صبر، توکل، تقویٰ، عفّت، قناعت، سخاوت، شجاعت، استقامت، عدل، حرّیت، مجاہدہ، مشاہدہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے فیض اور انوارات کمال کی حد تک ایک مامور من اللہ داعی کی ذات میں موجود ہوتے ہیں۔ غالباً اسی لیئے اسے انبیاء ومرسلین کا باطن کہا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

مندرجہ بالا اعتبارات میں سے چند ایک کو احادیث نبوی کی تائید حاصل ہے۔جس میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے ''نور'' کو پیدا کیا۔ دوسری حدیث میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے ''قلم'' کو تخلیق کیا۔ ایک اور حدیث میں ''عقل'' کو مخلوق اوّل کہا گیا۔

بقول ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی، یہ تینوں الفاظ یعنی نور، عقل اور قلم ایک ہی حقیقت کی مختلف تاویلات ہیں۔ان میں فرق صرف اعتباری ہے۔ چنانچہ جب اشیاء کو بمنزلہ معنی قرار دیا تو مخلوق اوّل عقل کہلائی۔اور جب اشیاء کو بمنزلہ مکتوبات قرار دیا تو مخلوق اوّل کو قلم گردانا اور جب بندوں کی ہدایت کا ذکر ہوا تو مخلوق اوّل '' نور'' کہلائی۔

اس نور سے ''احسن''کوئی'''''شیءٍ'' نہیں تخلیق کی گئی۔ انسان احسن تقویم کا دعویدار تو ضرور ہوسکتا ہے مگر الذی احسن کل شیی ء کا مصداق نہیں ہوسکتا۔اس 'نور' کی تخلیق کے بعد بدیع العجائب۔۔۔بَدَأَ خَلْقَ الْاِنسَانِ (سورہ السجدہ۔۷) کی طرف رجوع ہوا۔

اس ''نور'' کے حاملین کے علوم قطعی صحیح ہوتے ہیں اس وجہ سے دوسروں پر حجت ہوتے ہیں۔جبکہ ولایت کسبی کے حامل اولیاء کے علوم ظنّی و غیر یقینی ہونے کے سبب دوسروں پر حجت نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کسبی اولیاء وصوفیاء حضرات کا سُکر کسی بھی درجے پر مکمل طور پر زائل نہیں ہوتا جس کے مظاہرے ہماری مذہبی تاریخ کا انمٹ حصہ ہیں۔مثلاً کسی نے کہا ''**سبحانی سبحانی ما آعظم شانی** ''(میں سبحان ہوں، میں سبحان ہوں۔کیسی عظیم ہے میری شان) کسی نے صدا لگائی ''**لوای من ارفع لواء محمّد** ''(میرا [بھی] جھنڈا ہے جو کہ اونچا ہے محمدؐ کے جھنڈے سے) تو کوئی بول اٹھا ''**قدمی هٰذه علیٰ رقبة کل ولی الله**'' (میرا یہ قدم کل اولیاء اللہ کے کندھوں پر ہے) وغیرہ وغیرہ۔(صفحہ:۵۲؛''تذکرہ'' علامہ ابوالکلام آزاد)

نور جو کہ اصلاً ایک خاص 'روح' ہے اس کے سارے فیوضات اور ان کی اقسام کو بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے اس وجہ سے اس کی مکمل شناسائی ناممکن ہے۔ یہ وہی خاص روح (الرّوح) ہے جس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ 'امر ربّی' ہے جس کا ہمیں بہت قلیل علم دیا گیا ہے۔(سورہ بنی اسرائیل۔۸۵)

اگلی آیت میں رسول اکرمؐ کومخاطب کر کے یہ بتا دیا گیا کہ اگر یہ ''روح'' جو آپ ﷺ پر وحی کی گئی ہے واپس بلالی جائے تو وہ ﷺ اللہ کے مقابل کوئی مددگار یا وکیل اس ''روح'' کو واپس لانے والا نہ پائینگے۔ واضح رہے کہ وحی کے لغاتی معنیٰ ''سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا'' ہیں۔

مذکورہ ''روح'' کی دوبارہ بعثت ونزول کے بغیر **ثمّہ انّاعلینا بیانہ** کا وعدہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اور یقیناً اس استنباط کی نص سورہ المومن کی آیت: ۱۵ اور سورہ مجادلہ کی آخری آیت میں موجود ہے۔ پس جس ذاتِ مقدس پر اس کا آخری بار نزول ہوا وہی **خاتم الولایۃ محمّدیہ** طے پایا۔ واضح رہے کہ یہاں **ثمّہ انّا علینا بیانہ** کے خاص پس منظر میں ولایتِ محمّدیہ مخصوصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس توضیح کے علاوہ مھدی علیہ السلام کے خاتمِ ولایت محمدیہ ہونے کی کئی اور وجوہات بھی ہیں جو مناسب موقعہ پر بیان کی جایں گی۔ [انشاءاللہ]

اس ''**نورِ محمّدؐ**'' کے علاوہ قرآن نے سورہ الحدید میں ایک اور 'نور' کی نشاندہی کی ہے جو کہ صدیقین اور شہداء (کسبی اولیاء) کیلئے مخصوص بتایا گیا ہے۔

والذین امنو باللہ ورسولہٖ اولٰئکھم الصدیقو ن والشھدآء
عند ربھم اجرھم و نورھم ٥

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، وہی صدیق وشہداء ہیں۔ ان کے رب کی طرف سے ان کیلئے بھی انکا اجر اور ان کا ایک نور ہے۔ (سورہ حدید۔۱۹)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کرنے والوں کیلئے بھی ایک ''نور'' ہے۔ باالفاظ دیگر آیت میں مذکور ''نور'' کے حصول کیلئے شریعت کی پیروی ضروری ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تقاضہ عدل کے تحت دیگر تمام تشریعی انبیاء ومرسلین کے ماننے والوں کیلئے بھی امتِ محمّدیہ کی طرح علحٰیدہ، علحیدہ ''نور'' ہوں [واللہ اعلم]۔ اس قسم کی ''ولایت'' کا اکتسابی سلسلہ بند نہیں ہوا اور اسی سبب اس فیض سے الامتِ محمّدیہ مثتثنیٰ نہیں۔

ولایت وہبی ہو یا کسبی دونوں ہی اپنے اپنے درجات کے ''فضل اللہ'' ہیں مگران کے تقاضے ومنشاء الٰہیہ مختلف ہوتے ہیں۔''وہبی ولایت'' کے حاملین کے مقاصد متعین ہوتے ہیں، ان کے راستے مقرر ہوتے ہیں۔ ان کا ایک مشن ہوتا ہے، ان کی منزلیں اور مراحل تابع منشاء الٰہی ہوتے ہیں۔ ان کے فیض کا دائرہ ''اللہ کی رحمت' کا وسیع' دائرہ ہوتا ہے۔ یہ بندے چونکہ کامل واکمل عبودیت کے سبب ''اچھے اور اللہ کے چنندہ بندے'' (المصطفین الاخیار) ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے بحکم الٰہی ہدایت، رہنمائی اور انــذار جیسے اہم مقصد کیلئے اپنی ساری زندگی صرف کردیتے ہیں۔ یہ علوم الٰہیہ کے سمندر کے ایسے تیراک ہوتے ہیں جو کبھی غوطے نہیں کھاتے۔ جبکہ کسبی اولیاء تیرتے بھی ہیں اور غوطے بھی کھاتے ہیں۔ چنانچہ ''**دین کے پھلوان** '' چونکہ کسبی ولی ہوتے ہیں اسوجہ سے ''دین کے دنگل میں'' وہ کبھی کسی کو پچھاڑتے ہیں تو کسی سے پچھڑ بھی جاتے ہیں! ان میں ایسے مکرم حضرات بھی شامل ہیں جو کہ دیگر اولیاء کو اپنے قدم تلے جتلانے کے دعویدار تھے۔ جبکہ وہبی اولیاء، صرف اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہیکہ ایمان اور علم وعمل کے معاملات کی دوڑ میں ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا!

نور کے مرّوجہ واصطلاحی معنی:

''روح'' یا ''نــور'' پر بحث کو آگے بڑھانے سے قبل لفظ ''نــور'' کی تشریح ضروری محسوس ہوتی ہے۔ یہ لفظ بھی بڑا کثیر المعانی لفظ ہے۔ اس کے معنوں کی وسعت میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب یہ عجمیوں، ہندستانیوں اور دیگر قومیتوں کے پاس استعمال ہونے لگا۔ چونکہ ان کی زبانوں میں اس جیسا جامع اور کثیر المعانی متبادل لفظ نہیں پایا جاتا تھا۔ اس وجہ سے لوگوں نے اس کا قرآنی مفہوم ادا کرنے کی کوشش میں مختلف ادبی ترکیبات، مترادفات واستعاروں کا سہارا لیا۔ پھر جب علم تصوف نے ترقی کی تو اس لفظ کے استعاری ومرادی مفاہیم میں مزید اضافہ ہوا۔

فی زمانہ عوام لفظِ ''نور'' کے مندرجہ ذیل مفاہیم اور اصطلاحات کے استعمال سے آشنا ہیں اور یہ تمام کے تمام مثلاً ایمان کا نور، دل کا نور، چہرے کا نور، قلب کا نور، نظر کا نور، علم کا نور، قبر کا نور سینہ کا نور، سورج کا نور، چاند کا نور، آنکھ کا نور، نبوت کا نور، رسالت کا نور، ولایت کا نور، ہدایت کا نور، وغیرہ وغیرہ جیسی اصطلاحات کسی لحاظ سے بھی ان معنوں کی مکمل وصحیح نشاندہی نہیں کرتے جو کہ سورہ الشوریٰ اور سورہ الحدید کی مشارہ الیہ آیات میں مذکور ہیں۔

قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ پڑھنے والے یہاں تک بھی نہیں پہنچ پاتے۔ان کے پاس اس لفظ کے معنی Light ہیں اور مستعمل مفاہیم میں Enlightenment یا Illumination سے زیادہ اور کچھ نہیں چنانچہ آیت کریمہ فَاٰمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِی اَنْزَلْنَا (پس ایمان لاوء اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل کیا ہے) کا ترجمہ شیخ محمد پکھتال نے کچھ اس طرح کیا ہے۔

So,believe in Allah and his messenger and the light which we have revealed.

مندرجہ بالا ترجمہ اصل مفہوم بالکل بھی ادا نہیں کرتا۔خصوصاً وہ جو کہ علماء اور حکماء نے اپنی مختلف تالیفات میں بیان کیں ہیں اور نہ ہی یہاں ''نور'' بمعنی روشنی Light پر ایمان لانے کا حکم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔مذکورہ آیت میں نور سے مراد خاص نور یا روح ہے جو نھدی بہٖ من نشاء من عبادنا کے تحت ہدایتکی ذمہ دار ہوتی ہے۔جب کہ اللہ نور السمٰوات ولارض میں مذکور نور سے مراد ''الھادی'' ہے۔آیئے اب تشخصِ خاتم اولیاء سے متعلق حکماء اور محققین کے خیالات کا جائزہ لیتے ہیں۔

تشخص خاتم الاولیاء اور حکماء:

ا۔حضرت شاہ ولی اللہ ''خیر کثیر'' (اردو) کے صفحہ ۱۳۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

یاد رکھو! **خاتم الاولیاء** وہ شخص ہے جو صورت مزاجیہ کی تخلیقات میں **خاتم الانبیاء** کا مدمقابل

ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خاتم الانبیاء کے نور سے منور ہو اور صاحب علم ہو۔

۲۔حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جن کی وفات ۶۳۳ھ یعنی پیدائش حضرت مہدی علیہ السلام سے دوسو چودہ برس پہلے ہوئی تھی اپنی مناجات میں فرماتے ہیں:

یارب بحق مہدی وہادی کہ ذات او ما نند مصطفی است چومولائے اتقیا

یہ مناجات روزنامہ ''سیاست'' مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء (حیدرآباد دکن) بعنوان ''آئین تصوف'' (مولفہ شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی) میں چھپ چکی ہے۔

۳۔مشہور ومعروف صوفی شاعر علامہ رومؒ نے بھی حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔چنانچہ ''مثنوی مولوی معنوی'' میں فرماتے ہیں:

زامتاں اوست بدر اولیاء فضل او رابر جمیع انبیاء
گفت از پیغمبرؐ کہ ہست ازا متم کہ بود، ہم گوہر و ہم ہمتم

۴۔نویں صدی ہجری کے سرخیل ولی اللہ وصوفی کامل سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلیؒ (متوفی ۸۲۰ھ) جو کہ جید عالم بھی تھے اور علم تصوف پر کامل دسترس رکھتے تھے۔جن کی تصنیفات حضرت ابن عربیؒ کی تصنیفات مثلاً ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحات مکیہ'' کے ہم پلہ تسلیم کی جاتی ہیں اپنی معرکۃ الارا کتاب ''**انسان کامل**'' کے صفحہ:۱۴۷ پر لکھتے ہیں۔

''حق جب اپنے بندے پر تجلی فرماتا ہے اور اسے اپنے نفس سے فانی کرتا ہے تو اس میں ایک لطیفہ الٰہیہ قائم ہوجاتا ہے۔اور یہ لطیفہ کبھی ذاتی ہوتا ہے اور کبھی صفاتی۔جب وہ ذاتی ہوتا ہے تو ہیکل انسان اس وقت ایک **فرد کامل** اور **غوث جامع** ہوتا ہے جس پر وجود کا امروامر ہوتا ہے۔اس کیلئے رکوع وسجود ہوتا ہے۔اور **دنیا** کو **خدا** اس کے (**ذریعہ**) سے **محفوظ** رکھتا ہے اور وہ **مہدی** اور **خاتم** سے **ملقب** ہوتا ہے اور وہ **خلیفہ** ہے جس کی طرف حق تعالیٰ نے قصہ آدم میں اشارہ فرمایا ہے۔اس کے امتثال امر میں حقائق موجودات کا انجذاب ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ لوہے کو مقناطیس کی جانب۔عالم اس کی عظمت میں مقہور ہوتا ہے اور وہ اپنی قدرت سے جو چاہتا ہے کرتا

ہے۔اوراس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی اور یہ اسطرح پر کہ چونکہ اس **ولی** میں یہ لطیفہ الٰہیہ ذات ساذج ہوتا ہے اور کسی مرتبہ سے مقید نہیں ہوتا۔ نہ مرتبہ الٰہیہ سے اور نہ مرتبہ خلقیہ عبدیہ سے۔اس لئے ہر مرتبہ موجودات کو اس کا حق ادا کرتا ہے۔کیونکہ وہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو حقائق عالم کو ان کا حق ادا کرنے سے مانع ہو۔سوائے کسی مرتبہ یا اسم یا لغتِ حقیہ یا لغتِ خلقیہ کے ساتھ مقیّد ہونے کے۔ ذات کیلئے کوئی شے مانع نہیں ہے اور یہاں وہ مانع موجود نہیں ہے اس لئے کہ وہ ذات ساذج ہے جو کسی سے مقید نہیں بلکہ اس کا فیضان عام ہے۔''(صفحہ۱۴۷)

یہ کتاب جملہ تریسٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور تصوف کے علاوہ علم اسرار وسرّ حق سے تعلق رکھنے والے مضامین پر بحث کرتی ہے۔موصوف نے اس کتاب میں علامات قیامت پر بھی ایک باب باندھا ہے جس کی ذیلی سرخی... **مہدی علیہ السلام**...ہے چنانچہ صفحہ ۴۰۱ اور ۴۰۲ پر فرماتے ہیں۔

''اور **شروط ساعۃ سے ایک مہدی علیہ السلام کا خروج ہے** اور یہ کہ وہ لوگوں میں چالیس سال عدل کرینگے۔ان کے ایام سرسبز اور ان کی راتیں شگفتہ ہونگی۔کھیتی ان میں سرسبز ہوگی۔تھنوں میں دودھ کثرت سے ہوگا۔لوگ امن وامان سے عبادت رحمٰن میں مصروف ہوں گے۔ایسا ہی انسان (کا) **قیامت صغریٰ کے قائم ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط خروج مہدی ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو ''صاحب مقام محمدی''** ہے اور ہر کمال کی بلندی میں کامل اعتدال رکھتا ہے اور اسکی دولت چالیس برس تک بغیر انکار رہے گی اور وہ مراتب وجود کے عدد ہیں۔جن کو ہم نے اپنی کتاب مسمی بالکھف والرقیم میں بیان کیا ہے۔جس کو اس امر کی معرفت مطلوب ہو وہ اس کا مطالعہ کرے۔اور اس کے ایام کا سرسبز اور راتوں کا شگفتہ ہونا بمنزلہ عارف کے سکر مرقی اور صحومبقی بدلتے رہنے کے ہے۔(سکر مرقی۔ ترقی دینے والا نشہ اور صحومبقی، بقا بخش ہوشیاری) اور زراعت کا کثرت سے ہونا اور تھنوں میں دودھ کا زیادہ ہونا منزلہ تواتر انعامات اور پے درپے کرامات کے ہے اور امان بمنزلہ عارف کے ''مقام خلت'' (مقام خلیل) میں داخل ہونے کے ہے اور حلہ خلت میں اس کا نازل ہونا ہے''۔

۵۔ پانچواں اور آخری حوالہ ہم محترم حافظ محمّد ظفر اقبال صاحب کی کتاب ''اسلام میں امام مہدی رضی اللہ عنہ کا تصوّر'' کے صفحہ:۵۱ سے دیرہے ہیں۔ ''**امام مہدیؓ افضل ہیں یا شیخین؟**'' کے تحت لکھتے ہیں:

حضرت امام مہدیؓ کے متعلق علامہ ابنِ سیرینؒ کے اُس قول کی حقیقت بھی معلوم کرلینا ضروری ہے جس میں انہوں نے حضرت امام مہدیؓ کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دی ہے چنانچہ نعیم بن حمّاد اس قول کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

﴿عن ابن سیرین قیل له المهدی خیر او ابو بکر و عمر رضی الله عنهما؟قال هوا خیر من هماو یعد ل بنبی﴾

''ابنِ سیرینؒ سے پوچھا گیا کہ امام مہدیؓ زیادہ بہتر ہیں یا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما؟ تو ابنِ سیرین نے کہا کہ **امام مہدیؓ دونوں سے زیادہ بہتر ہیں اور نبی کے برابر ہیں**۔'' (کتاب الفتن: صفحہ ۲۵۰)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس قسم کی دو روایتیں علامہ سیوطیؒ نے بھی الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۹۲ پر نقل فرمائی ہیں جن میں سے ایک روایت تو ضمرہ کی سند سے ابنِ سیرینؒ سے یوں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''جب فتنوں کا زمانہ آجائے تو تم اپنے گھروں میں بیٹھ جانا یہاں تک کہ تم حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ بہتر آدمی کے آنے کی خبر سن لو (پھر نکلنا) لوگوں نے پوچھا کیا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل کوئی شخص آیگا؟ فرمایا کہ **وہ تو بعض انبیاء پر فضیلت رکھتا ہوگا۔**''

صفحہ ۵۳ پر مہدی علیہ السلام کی فضیلت کے بارے میں علامہ ابنِ حجر مکّیؒ کا جواز تحریر فرماتے ہیں کہ:

''امام مہدیؓ کی افضلیت اور ثواب کا اضافہ ایک امرِ نسبی ہے اس لیے کہ کبھی کبھار مفضول میں کچھ ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو افضل میں نہیں ہوتیں اسی وجہ سے طاؤس نے امام مہدیؓ کا زمانہ پانے کی تمنا کی ہے اس لیے کہ امام مہدیؓ کے زمانے میں نیک کام کرنے والے کو ثواب زیادہ ملے گا اور گناہ گار کو توبہ کی توفیق ہوگی۔....الخ''(القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر :صفحہ ۱۷)

اس کے بعد صفحہ ۵۴ پر علامہ سید محمّد برزنجیؒ کا جواز qoute کرتے ہیں:

''تحقیق بات یہ ہے کہ باہمی فضیلت کی جہات مختلف ہوسکتی ہیں اس لیے **ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم کسی ایک فرد کو مطلق فضلیت دیدیں**۔ ہاں! اگر حضورﷺ ہی کسی کو کلّی فضیلت دے دیں تو اور بات ہے ورنہ درست نہیں، کیونکہ ہر مفضول میں کسی نہ کسی جہت سے کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہے جو افضل میں نہیں ہوتی....الخ (الاشاعہ:ص ۲۳۸)

ملا علی قاری کی کتاب ''المشرب الوردی فی مذہب المہدی'' کو qoute کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام مہدیؓ کی افضلیت پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ حضورﷺ نے ان کو ''خلیفۃ اللہ'' فرمایا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زیادہ سے زیادہ ''خلیفۂ رسول اللہ'' کہا جاتا ہے۔''(الاشاعۃ:ص ۲۳۸)

صفحہ ۳۳ پر ''ظہورِ مہدیؓ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ'' کے عنوان کے تحت علامہ جناب محمد ادریس کاندھلوی کے مشکوٰۃ کی شرح ''التعلیق الصبیح'' ج ۶ ص ۱۹۸ پر شرح عقیدہ سفارینیہ ج ۲، ص ۸۰ کے حوالے کے تحت qoute کرتے ہیں:

''امام سفارینی نے فرمایا ہے کہ خروجِ مہدیؓ کی روایات اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ وہ تواترِ معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں اور یہ بات علماء اہلِ سنت کے درمیان اس درجہ مشہور ہے کہ وہ ان کے عقائد میں شمار ہوتی ہے۔ **پس امام مہدیؓ کے ظہور پر حسبِ بیان علماء و عقائدِ اہلِ سنت الجماعت، ایمان لانا ضروری ہے۔''**

مندرجہ بالا حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ **تمام اہلِ سنت کے نزدیک مہدی علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہے** ۔جس سے یہ بھی استنباط ہوتا ہی کہ مہدی علیہ السلام صاحبِ بیّنہ ہیں ۔ چنانچہ عقیدہ بعثت مہدی علیہ السلام اور انکے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ بعثت پر ایمان لائے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور مومن ایک ناقص ایمان کے ساتھ، روزِ محشر اللہ کے آگے قابلِ مواخذہ ثابت ہوجاتا ہے اور جہنم کی آگ اس کا مقدر بنتی ہے۔

خاتم الاولیاء سے متعلق یہ سارے حالات پڑھنے کے بعد قرآن کریم میں موجود نبی کریم ﷺ سے متعلق ایک آیات مصدق کے ذہن میں گونجنے لگتی ہے جس میں کہا گیا ہے:

وہ اس کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں!

مصادر و مراجع:

۱۔ The Holy QURAN — انگریزی ترجمہ: محمّد مارمیڈیوک پکتھال، اقبال بک ڈپو، صدر؛ کراچی

۲۔ صحیح بخاری — محمّد اسمٰعیل بخاری، اردو ترجمہ وحید الزماں صاحب، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور

۳۔ خیرِ کثیر (اردو) — مصنفہ: شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مترجم پر فیسر عبدالرحیم، دارالاشاعت، اردو بازار؛ کراچی

۴۔ انسانِ کامل — مصنفہ عبدالکریم بن ابراہیم جیلی، مترجم فضل میراں، مولوی فاضل نفیس اکیڈیمی، اردو بازار؛ کراچی

۵۔ اسلام میں امام مہدیؓ کا تصوّر — مولف: حافظ محمّد ظفر اقبال، فاضل جامعہ اشرفیہ، بیت العلوم، انارکلی؛ لاہور

۶۔ تذکرہ — علامہ ابوالکلام آزاد، مرتبہ فضل الدین احمد مرزا، مکتبہ القریش، چوک اردو بازار، لاہور

۷۔ مثنوی مولوی معنوی — جلال الدین رومی، مترجم: قاضی سجّاد حسین۔ الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار، لاہور

۸۔ روزنامہ ''سیاست'' — مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء (حیدرآباد دکن)